QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے سماجی و سیاسی حقوق: ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

Social and Political Rights of Women in the Light of Qurʾānic Teachings: A Critical and Analytical Review

Dr. Rabia
Assistant Professor, Bahria University, Karachi Campus.
Email: rabia.bukc@bahria.edu.pk
Dr. Laeeq Ahmad
Visiting Faculty, Department of Islamic Learning
University of Karachi. Email: laeeqahmad202@gmail.com

Submission Date: 05 Mar 2026
Review Date: 10 Mar 2026
Acceptance Date: 15 March 2026
Publication Date: 25 Mar 2026

Article Link: https://alamir.com.pk/index.php/ojs/article/view/303

Abstract:
This study provides a critical and systematic evaluation of the social and political rights of women as conceptualized in Qurʾānic teachings, contrasting foundational Islamic principles with both traditionalist interpretations and modern feminist discourses. While contemporary debates often polarize women's roles between absolute domesticity and uncritical political activism, this paper argues that the Qurʾān establishes a balanced, socio-politically inclusive framework that guarantees gender equity, epistemic authority, and institutional participation without compromising ontological jurisprudence.

Employing a qualitative, textual, and analytical methodology, the research deconstructs key Qurʾānic verses (*āyāt*) addressing governance, education, social responsibility, and specific socioeconomic privileges. The study highlights that the early Islamic community, under Prophetic guidance, practically operationalized these rights, challenging the deeply rooted misogynistic structures of the *Jāhiliyyah* era. Furthermore, the paper examines contemporary challenges within Muslim societies, where cultural constructs often overshadow divine mandates, leading to the marginalization of women in public spheres.

The findings reveal that the Qurʾānic paradigm does not merely offer reactive responses to modern rights movements but proactively structures a framework of 'educational justice' and political agency rooted in communal accountability and moral leadership (*Amr bi-l-maʿrūf*). Ultimately, this study contributes to modern Islamic jurisprudence (*ijtihād*) by demonstrating that safeguarding women's public and private rights is intrinsic to the higher objectives of Islamic law (*Maqāṣid al-Sharīʿah*).

Keywords: Qur᾿ānic Hermeneutics, Women's Rights, Political Agency, Social Justice, Islamic Jurisprudence, Gender Equity.

تمہید و پس منظرِ تحقیق:

اسلام نے مابعد الطبیعاتی اور سماجی سطح پر عورت کو بیٹی، بیوی اور ماں کے مقدس رشتوں میں منسلک کر کے اسے غیر معمولی عزت اور فضیلت کے رتبے پر فائز کیا ہے۔ وحیِ الٰہی کے ذریعے انسانیت کو صنفِ نازک کے ساتھ حسنِ سلوک اور تکریمِ باہمی کا ابدی درس دیا گیا ہے۔ یہ دینِ اسلام کا امتیازی وصف ہے کہ اس نے عہدِ جاہلیت اور دیگر معاصر مذہبی و تہذیبی نظاموں کے برعکس، جہاں عورت کی بنیادی انسانی حیثیت کا انکار کیا جاتا تھا، معاشرے میں عورت کا ایک مثبت، باوقار اور خود مختار تعارف پیش کیا۔ اسلام نے صنفِ اناث کے درجاتِ بلند کی بنیاد تقویٰ اور اخلاقی اوصاف پر رکھی ہے۔ اس مینیفیسٹو کے تحت اللہ تعالیٰ نے اخروی جزا و سزا اور احکامِ شریعہ کی بجا آوری میں مرد و عورت کو مساوی درجے میں مخاطب کیا ہے۔ بحیثیت بیٹی، بیوی، بہن اور ماں، خواتین کے سماجی و سیاسی حقوق کا اثبات قرآن و سنت کی واضح تصریحات سے ہوتا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اسلامی معاشرت میں بنتِ اسلام کا مقام اور تکریمِ اولاد کا قرآنی تناظر:

دینِ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے بیٹی کی پیدائش کو رحمت کا سبب قرار دیا اور اس کے حقوق معاشرے میں متعارف کروائے۔ اس کا عملی ثبوت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں بیٹیوں سے محبت کرنے کا درس دیا اور اس نسبت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ جوڑا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں جن میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ سلوک فرما کر عرب معاشرے کو بہترین پیغام دیا اور ان کی سوچ کو بدلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے قرآنی تعلیمات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

قرآنی تعلیمات میں عرب معاشرت کی تہذیب کو بدلنے کے لیے اللہ نے اپنے احکامات نازل فرمائے اور اس میں بیٹی کے تذکرہ کو مقدم رکھا گیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں تمام مخلوق مساوی ہے۔ اس کی نظر میں تقویٰ و پرہیز گاری افضلیت کا معیار ہے اسی لیے قرآن مجید میں اللہ نے پہلے بیٹیوں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر بیٹوں کا۔ یہ اللہ کی بادشاہت ہے وہ جیسے چاہے بیٹے عطا فرمائے اور جیسے چاہے بیٹیاں دے یہ سب اس کی شان قدرت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

لِّلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ[1]

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، جو وہ چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا ذکر فرما کر اس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ وہ جس کو چاہے بیٹی جیسی رحمت سے نوازے اور جس کو چاہے بیٹے جیسی نعمت سے۔ یہاں پر بیٹی کا ذکر پہلے مذکور ہے پھر بیٹوں کا۔ اللہ نے یہاں پہلے بیٹی دینے کا ذکر فرمایا پھر بیٹے عطا فرمانے کا۔ "ابن قیم" اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ کی تشریح اس انداز سے کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

وعندی وجه اخروهوانه سبحانه قدم ماكانت توخر ه الجاهلية من امر البنات حتى كان الغرض بيان ان هذا النوع الموخر الحقير عندكم مقدم عندى فى الذكر[2]

میرے نزدیک اس کی ایک اور حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بیٹیوں کو مقدم کیا ہے، جن کو اہل جاہلیت مؤخر کرتے تھے، گویا کہ یہ بیان کرنا مقصود تھا، کہ تمھاری طرف سے نظر انداز کی ہوئی یہ حقیر قسم میرے نزدیک ذکر میں مقدم ہے۔[3]

آپ یہاں اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اللہ نے بیٹیوں کا ذکر پہلے کر کے عہد جاہلیت میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ جسے تم حقیر سمجھتے ہو اللہ کے نزدیک وہ بیٹوں سے پہلے مقدم ہیں۔ یہ حکم اس لیے آیا کہ عہد جاہلیت کی غلط رسومات کو ختم کیا، بیٹیوں کو ان کا مقام دلوایا جائے، انہیں بھی معاشرے کا اہم فرد سمجھا جائے اور انہیں بیٹوں سے قبل فضیلت اسی وجہ سے دی تاکہ معاشرے میں دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک برتا جائے۔ یہ قرآنی تعلیمات کی برکت تھیں جس کے باعث عرب کی منفی سوچ میں تبدیلی آئی اور بیٹیوں کو ان کا مقام ملا۔

صنفِ اناث کی فکری و تعلیمی بیداری: قرآن و سنت کی روشنی میں:

علم کی طلب مرد و عورت کی زندگی میں لازم و ملزوم ہے۔ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور ممکن نہیں کیونکہ علم ہی انسان کو بلندی اور عروج عطا فرماتا ہے۔ علم حجاب کو کھول کر حقیقت کی تلاش کا نام ہے۔ علم ہی انسانی تہذیب و تمدن میں نئی سوچ بیدار کرتا ہے اگر یہ نہ ہو تو قومیں تباہ و برباد ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے علم کا باب ہر مرد و عورت کے لیے کھلا رکھا ہے۔ کائنات میں غور و فکر کی دعوت دے کر معاشرے میں نئی سوچ پیدا کرنی کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ انسان ہر عمر میں حصولِ علم کی طرف راغب ہو اور منزل مقصود تک رسائی حاصل کرے۔ اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔ امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامن رجل تدرک له ابنتان فيحسن اليهما، ماصحبتاه او صحبهماالا اد خلتاه الجنة۔[4]

ایسا نہیں ہے کوئی آدمی کہ اس کے یہاں دو لڑکیاں ہوں اور وہ (دونوں) جب تک اس کے ساتھ رہیں، یا وہ ان کے ساتھ رہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے، مگر وہ دونوں اس کو جنت میں داخل کروادیں گی۔[5]

گھر میں والد کا کردار سرپرست کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر خاندان کے کئی لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ یہی خاندان کا وہ فرد ہے جس کے ذمے گھر کے انتظام کو منظم رکھنا اور اہل خانہ کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ بیٹی جو معاشرے کا اہم رکن ہے جو تہذیبوں کو جنم دینے کا نام ہے جسے معاشرہ نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اللہ نے مرد کے سپرد کی ہے جس میں پہلا کردار باپ کا ہے جو اس کے لیے سایہ تحفظ ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارتی ہے جو بچپن سے لے کر جوانی تک اپنے باپ کے گھر تحفظ محسوس کرتی ہے۔

دینِ اسلام نے انسان کی ازدواجی زندگی پر بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ باپ کا فرض جہاں بیٹی کی تعلیم و تربیت کرنا ہے وہاں اس کے اہم فرائض میں بیٹی کا رشتہ طے کر کے اسے رخصت کرنا بھی ہے۔ شادی زندگی کا اہم اور مقدس رشتہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور اسے روگردانی کرنا، توڑنا اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ یہ ناپسندہ چیزوں میں سے برا فعل ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے پسند نہیں فرمایا۔

ہمارے معاشرے کا اہم المیہ یہ ہے کہ ہم بیٹیوں کو تعلیم کی طرف اس قدر دھکیل دیتے ہیں کہ وہ بس تعلیم کو ہی سب سمجھنے لگتی ہیں اور تربیت کی طرف رجحان کم ہو تا جاتا ہے اور جب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو جاتی ہیں تو پھر اچھے رشتوں کے انتظار میں اپنی عمر ضیاع کر دیتی ہیں جس کے باعث ان کے لیے رشتوں کا آنا بند ہو جاتا ہے اور بعض ایسی بھی لڑکیاں ہیں جو تعلیم سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ گھریلو امور میں مہارت نہیں رکھتی جس کے باعث یہ اپنی ازدواجی زندگی کو منظم نہیں کرپاتی۔

بیٹی کا معاشی استحکام اور حقِ وراثت:

وراثت کا بنیادی قانون اسلامی شریعت میں آیاتِ قرآنی اور سنتِ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیلاً مذکور ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے فقہاء و آئمہ نے ان قوانین پر اجتہاد و تفکر کے ذریعے توضیح و تشریح کر کے افراد کی رہنمائی فرمائی اور ان قوانین کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ پاکستان میں آبادی کی اکثریت میں مسلمان بڑی تعداد میں ہیں جس کا تعلق اہل سنت الجماعت (سنی) سے ہے۔ اس مکتب فکر کے بانی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے قرآن و سنت سے وراثت کے مسائل پر استنباط کرتے ہوئے قانون سازی کی۔ ”رشید پٹیل“ سنی مکتبِ فکر میں قانونِ وراثت کی تقسیم کے بارے میں لکھتے ہیں: سنی حنفی قانون کے مطابق کسی متوفی شخص کے ورثا تین اقسام میں بٹے ہوئے ہیں:

1۔ اصحاب الفروض یہ وہ ورثا ہیں جن کے لیے ایک معین مقرر حصہ ترکے کا حکم کیا گیا ہے۔

2۔ عصبہ یہ وہ ورثا ہیں جن کا حصہ معین نہیں بلکہ یہ اس سب کے وارث ہوتے ہیں۔ جو اصحاب الفرض کو دینے کے بعد بچا رہتا ہے۔

3۔ رشتہ داران بعید: یہ وہ لہو کے رشتہ دار ہیں جو نہ تو اصحاب الفرض ہیں اور نہ عصبہ سوائے اس صورت کے اصحاب الفرض متوفی کی بیوی یا میاں ہیں۔[6]

علم میراث جس میں انسان کی جائیداد تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ پورا ایک علم ہے جس میں قرآن و سنت سے استفادہ کر کے اہل و عیال کے درمیان میت کا مال تقسیم کیا جاتا ہے۔ وراثت میں ماں، باپ، بہن بھائی، خاندان کے لوگ، عزیز و اقارب اور قریبی رشتہ دار شامل ہیں اوراس میں عورت کا بھی حق وراثت شامل ہے۔ وہ عرب معاشرہ جہاں بیٹی کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ وہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم نے بیٹی کو عزت و احترام کا مقام عطا فرمایا۔ اسلام نے نہ صرف بیٹی کے معاشرتی و سماجی حقوق متعین کیے بلکہ اسے واراثت کا حق دار بھی ٹھہرایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا فرمانِ عالی شان ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔[7]

خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف۔[8]

یہاں اللہ نے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے میراث کے قوانین طے کر دیئے ہیں۔ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر وراثت کی حق دار صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ کوئی لڑکا نہ ہو تو اس میں قرآن کا حکم یہ ہے کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ورثہ میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا حصہ ورثہ میں مقرر ہے۔

مہر کی تشریعی حیثیت:

مہر ایک ایسی رقم ہے جس کی ادائیگی واجب ہے۔ دینِ اسلام عورت کو نکاح کے بعد اسے اس کے مہر کا حق بھی دیتا ہے اور اس میں شوہر کو پابند کرتا ہے کہ وہ عورتوں کے مہر خوش اسلوبی اور نیک نیتی سے ادا کریں۔ اس میں عورت کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا معقول مہر مقرر کروائے۔ مہر کے ذریعے وصول ہونے والی رقم عورت کی ملکیت ہے۔ اس میں شوہر یا اس کے گھر والے حصہ دار نہیں ہیں۔ یہ اس کی ذاتی ملکیت کا حصہ ہے۔ اس میں بھی عورت کو اختیار ہے چاہے تو معاف کر دے یا چاہے تو اسے حاصل کر لے۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ اس حوالے سے قرآن میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ تاکید کی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا[9]

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے تمہیں کچھ معاف کر دیں تو تم اسے مزے دار خوشگوار سمجھ کر لے لو۔

یہاں مہر کی ادائیگی کا درس مردوں کو دیا گیا ہے۔ اسلام میں مہر کی رقم مقرر نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ طریقہ ہے جیسے فقہاء کرام بیان کرتے ہیں کہ مہر مرد کی مالی حیثیت کو مدِ نظر رکھ کر مقرر کیا جائے تا کہ ازدواجی زندگی برقرار اور خوش نما رہے۔

شادی کا تحفہ جسے قرآن نے مہر کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اس کی ادائیگی لازمی ہے۔ شوہر مہر کو ادا کرنے کا پابند ہے۔ اسلام میں نکاح کے انعقاد کے لیے مہر لازم ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں ثقافتی اثرات کے باعث ہم لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور فضول رسم و رواج سے اپنا وقت ضائع کر کے اس واجب رکن کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا تعلق مہر سے ہے اور ایسی فرسودہ سوچ کو ابھارتے ہیں جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ برِ صغیر میں ۱۵۱ روپے یا ۷۸۶ روپے وغیرہ جیسے افکار نمایاں کر کے کے مہر کی اصل حقیقت کو کھو دیتے ہیں۔ جبکہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مہر پانچ سو درھم (چاندی) تھا جو موجودہ دور کے مطابق ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور گرام کے حساب سے ۱:۹۰۹ ۵۳ کلو گرام چاندی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کا تقریباً مہر یہی تھا۔ فقہاء کرام نے مہر کی تین صورتیں بیان کی ہیں جس کی ادائیگی مرد کے ذمے ہے۔

۱۔ مہرِ مؤجل

۲۔ مہرِ معجل

۳۔ مہرِ مثل

مہرِ معجل و مؤجل کا تعلق میاں بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے چاہے تو سارا مہرِ معجل کی صورت میں مقرر کرے یا پھر سارا کا سارا مؤجل کی صورت میں۔ جبکہ مہرِ مثل کا تعلق خاندان کی عورتوں سے منسوب ہے۔ اگر نکاح کرتے وقت رقم مقرر نہ کی جائے تو خاندان کی عورتوں کو جو مہر دیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کی جائے گی۔

امومیت (Motherhood) کا اسلامی تصور اور مابعد الطبیعاتی و اخلاقی فضیلت:

اسی طرح عورت کو رشتۂ زوجیت سے منسلک کرنے کے بعد اسے ماں کے عظیم مرتبے پر فائز کر کے اسلام نے اس کے مقام اور رتبے کو مزید تقویت دی ہے۔ماں کے قدموں تلے جنت کا ذکر کر کے عورت کی عظمت میں مزید اضافہ کیا ہے۔اس درجے پر عورت کو مقرر کر کے اللہ نے اس کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور اس کی اہمیت بحیثیتِ ماں معاشرے میں متعارف کروائی ہے اور اولاد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اور اخلاقی اقدار سکھانے میں جہاں مرد ذمہ دار ہے وہاں عورت ماں کی صورت میں اپنی خدمات پیش کرے یہ بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔اسلام میں ماں کو اولاد کی جانب سے باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ حسنِ سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ یہاں عورت مرد سے ایک درجہ بلند ہے جبکہ مجموعی طور پر بحیثیت انسان دونوں (مرد و عورت) برابر ہیں۔ اسلام دونوں (مرد و عورت) کی برابری پر یقین رکھتا ہے یکسانیت پر نہیں کیونکہ یہ خلاف حقیقت ہے۔ مرد و عورت اپنے فطری تقاضوں کے مطابق مختلف رجحانات رکھتے ہیں ان اختلافات کے باوجود بحیثیت انسان اسلام کی نظر میں مجموعی طور پر دونوں مساوی ہیں۔ یہاں ایک چارٹ کی صورت میں مساواتِ مرد و زن کا تذکرہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے۔

مساواتِ مرد وزن (ایک نظر میں جائزہ)
۱۔ مرد جسمانی طاقت کی وجہ سے بالاتر ایک درجہ
۲۔ عورت ماں کی حیثیت سے تین گنا زیادہ حسن سلوک کی حقدار
۳۔ میاں بیوی کے حقوق برابر جہاں شوہر کو طلاق کا حق وہاں بیوی کو خلع کا حق
۴۔ عورت کی شادی کسی آقا یا مالک سے نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ غلاموں والا برتاؤ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، بلکہ یہ رشتہ برابری کی بنیاد پر ہے۔
۵۔ مرد و عورت، شوہر اور بیوی تمام معاملات میں برابر کے حقوق رکھتے ہیں سوائے خاندان کی سربراہی کے۔

عائلی قوانین میں عورت کا حقِ فسخِ نکاح (خلع): حدودِ الٰہیہ اور عدالتی چارہ جوئی:

دینِ اسلام میں اگرچہ طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے۔ جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے۔ اگر میاں بیوی دونوں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور حالات مزید کشیدگی کا باعث بنیں تو اسلام ان کو علیحدگی کا حکم دیتا ہے۔ اس میں طلاق کا حق مرد کو اور خلع کا حق عورت کے ذمہ ہے۔ اگر عورت کے لیے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو اور صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کر کے خلع وصول کر کے آزاد ہو جائے۔ اس حوالے سے قرآنی نقطہ یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں فرمایا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ یُقِیْمَا حُدُوْدَ االلهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ۔[10]

پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (ایسی صورت میں) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے۔

رشتہ زوجیت ایسا رشتہ ہے جس میں دونوں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ یہ ایسا رشتہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کسی کو زبردستی اپنے ساتھ جوڑے رکھے۔ اس میں دونوں کی جانب سے صلح اور خوشی کا ہونا ضروری ہے۔ نکاح کے لیے اسلام کا مؤقف یہی ہے کہ دونوں کی رضامندی سے رشتہ قائم کیا جائے۔ اگر یہ رشتہ قائم ہو جائے تو اب دونوں کی یہی کاوش ہو کہ وہ اپنے اس رشتے کو نبھائے اور خوش دلی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے لیکن اگر پھر بھی حالات سازگار نہ ہوں یا کوئی اور صورتِ حال ہو تو اب عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر سے خلع لے لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ اگر دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ پا رہے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی کچھ بدلہ دے کر رہائی حاصل کر لے۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کا سیاسی تشخص اور عمرانی دائرہ کار:

اسلامی تہذیب میں عورتوں کے معاشرتی حقوق کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں عورت کی پیدائش سے لے کر اس کی زندگی کی تمام سرگرمیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے حقوق متعین کر کے اسے معاشرے میں عزت کا مقام دلایا گیا ہے۔ دینِ اسلام عورت کو تحفظ دینے کے لیے اس کے معاشرتی حقوق کا تعین کرتا ہے۔ عورت کے معاشرتی حقوق میں نان نفقہ، تعلیم و تربیت، نکاح، مہر اور دیگر معاملات کا حق مذہبِ اسلام نے عورت کے لیے مقرر کیا ہے۔ بیٹی، بہن، بیوی، ماں کے عزت و وقار اور جس رشتے سے بھی عورت منسلک ہے اس رشتے کو خوبصورت بنا کر اسے معاشرے میں دینِ اسلام نے عزت دلائی ہے۔

اگرچہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس میں اور دیگر مخلوقات میں ایک وصف "تدبر" اور "تفکر" ہے جس کے باعث اسے دیگر مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔ اللہ نے روئے زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ کا پیغام انہیں سنائے۔ قوموں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام اللہ نے مبعوث فرمائے جنہوں نے اپنی سیاسی بصیرت کے تحت امن و امان کی ریاست قائم کی۔ اس کی بہترین مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہے جنہوں نے ریاست مدینہ کا قیام قانون الٰہی پر کیا۔ اسلام میں ریاست مقصود نہیں ہے بلکہ قانون الٰہی کے نفاذ کے لیے یہ ایک ضروری محرک ہے۔ جہاں تک خواتین کا سیاسی معاملات سے تعلق ہے اس حوالے سے چند سوالات موضوعِ بحث ہیں:

۱۔ عورت سیاسی امور میں کس حد تک اپنا کردار پیش کر سکتی ہیں؟

۲۔ عورت اسلام کے نقطہ نظر سے حکمران بن سکتی ہے؟

۳۔ عورت قانونی معاملات میں مداخلت کر سکتی ہے؟

۴۔ عورت سیاسی سرگرمیوں کا حصہ بن سکتی ہے؟

۵۔ عورت ووٹ دے سکتی ہے؟

ان سوالات کے جوابات کے لیے دینِ اسلام خواتین کی کس انداز سے رہنمائی کرتا ہے؟ اس کی تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ[11]

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں۔

معلوم ہوا کہ مرد وعورت اسلامی معاشرت میں نہ صرف سماجی و معاشرتی امور میں ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کا باعث ہیں بلکہ سیاسی معاملات میں بھی دونوں ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہیں۔ اسلام عورت کو سیاسی معاملات میں اظہارِ رائے کا حق فراہم کرتا ہے اور اس کی صحیح رائے کو تسلیم بھی کرتا ہے (جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعے پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے)۔ اسی طرح قانون سازی کا حق عورت کو دیتا ہے جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک عام عورت کی حق مہر پر حد بندی کے خلاف آواز بلند کرنا۔ ووٹ کا حق اور جنگی و دفاعی معاملات میں ملک کے دفاع کے لیے عورت کو حقوق فراہم کرتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات مندرجہ ذیل صفحات میں پیش کی جاتی ہے۔

ریاست کے معاملات میں اظہارِ رائے کا حق

ریاستِ مدینہ کے قیام کے ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنتِ مبارکہ سے عورت کے حق رائے کو قانونی بنیاد عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں شمولیت یقینی بنائی۔[12] قرآنِ مجید وفرقانِ حمید میں اللہ رب العزت نے عورت کے معاشرتی حقوق کا تذکرہ اس انداز میں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْم۔[13]

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجالاتے ہیں، ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

آیت کی روشنی میں مرد و عورت کے لیے چار پہلو بیان کیے گئے ہیں جس میں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں وہ چار پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) معاشرتی و معاشی حدود میں نیکی کا فروغ اور بدی کا خاتمہ

(ب) مذہبی (دعوتی اسلوب) دائرے میں اقامتِ صلوۃ

(ج) سیاسی دائرے میں اللہ اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی اتباع و اطاعت کے ذریعے ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تعمیر و تشکیل۔

(د) اقتصادی دائرے میں زکوۃ کی وصولی۔[14]

مرد اور عورت محض سماجی سطح پر ہی نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی ایک دوسرے کے لیے مدد و معاون ہیں۔ اسلام عورت کو سیاسی معاملات میں نیکی کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کا حق دیتا ہے۔ اسی طرح دینی احکامات پر عمل پیرا ہونے جس میں نماز قائم کرنا اور زکوۃ کی ادائیگی کرنا شامل ہیں، اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ سیاسی میدان میں دونوں ملکر اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہوئے بہترین مثالی معاشرہ تشکیل دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے دور میں مرد اور عورت دونوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائی اور دینِ اسلام کے پیغامات کو دور دراز علاقوں تک پہنچایا۔ اس میں مرد کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ موجودہ دور میں بھی جو شخص ملک کا سربراہ مقرر ہو وہ عوام کی فلاح و بہود کی خاطر اسی آیت مبارک کی روشنی میں منصب کے فرائض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روشنی میں سرانجام دے، تاکہ جرائم اور فسادات کی روک تھام کی جاسکے۔

عصری انتخابی عمل اور بیعت کا قرآنی تصور:

ووٹ دراصل ایک ذمہ داری ہے جسے انسانوں کو بہت سوچ سمجھ کر نبھانا چاہیے اور اپنے لیے ایسے حکمران کا انتخاب کرنا چاہیے جو قانون الٰہی کا نفاذ کرنے والا ہو اور لوگوں کے فیصلے عدل پر کرنے والا ہو۔ جہاں یہ ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے وہیں عورت کے بھی ذمے ہے کہ وہ ملک کے لیے عادل اور نرم دل حکمران کا انتخاب کرے جو لوگوں کے مسائل کو حل کرے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ حکومت میں عورت کو ووٹ دینے کا حق بھی دیا ہے۔ اس حوالے سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَه بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[15]

اے نبی! جب آپ کی خدمت میں مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے کوئی جھوٹا بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی (یعنی اپنے شوہر کو دھوکہ دیتے ہوئے کسی غیر کے بچے کو اپنے پیٹ سے جنا ہوا نہیں بتائیں گی) اور (کسی بھی) امر شریعت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

یہاں بیعت کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بیعت کے لفظ میں آج کل کے الیکشن کا مفہوم بھی شامل ہے۔ کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول بھی تھے اور سربراہِ مملکت بھی تھے۔ اور بیعت سے مراد انہیں سربراہِ حکومت تسلیم کرنا تھا۔ اس طرح اسلام نے اسی دور میں عورت کو ووٹ دینے کا حق بھی تفویض کر دیا تھا۔ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے سربراہ کا انتخاب آزادانہ کر سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے مسلم عورت ایسے حاکم کا انتخاب کرے جو صوم وصلاۃ کا پابند ہو، نیک امور کرنے والا ہو، برے افعال سے بچنے والا ہو، امر بالمعروف ونہی عن االمنکر کا اہتمام کرنے والا ہو، بدکاری سے پرہیز کرنے والا ہو، حدود اللہ کی پاسداری کرنے والا ہو اور اپنی رعایا پر حسنِ سلوک کرے۔ ایسے شخص کا انتخاب اسلامی ریاست کو مضبوط اور متحرک بنانے کا باعث ہے۔

۔ تقنین (Legislation) میں خواتین کا کلیدی کردار:

اسلام نے خواتین کو سیاسی معاملات میں قانون سازی میں حصہ لینے کی اجازت بھی دی ہے۔ اگر کوئی قانون ملک کے لوگوں کے لیے نقصان کا باعث ہو اور معاشرہ مزید مشکلات میں جانے کا باعث بن رہا ہو تو ایسی صورت میں جہاں مرد کو یہ حق حاصل ہے وہ اس کے خلاف آواز بلند کرے وہیں یہ حق عورت کو بھی حاصل ہے۔ اگر کوئی حکمران طبقہ وحی الٰہی کے قانون میں ردوبدل کرے یا ترمیم کرے تو عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ جیسا کہ ایک مشہور روایت ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حق مہر کے مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش تھی کہ حق مہر کی بالا حد مقرر کر دی جائے کیونکہ نوجوانوں کے لیے نکاح کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ پیچھے سے ایک بوڑھی عورت اُٹھی اور اس نے قرآن مجید کی سورۃ نساء کی بیسویں آیت پڑھی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَه بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔[16]

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو؟

اس کے بعد اس عورت نے کہا کہ جب قرآن یہ اجازت دیتا ہے کہ مہر میں مال کا ڈھیر بھی دیا جا سکتا ہے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہوتے ہے حد مقرر کرنے والے؟

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور کہنے لگے کہ: عمر غلط تھا اور یہ عورت درست کہہ رہی تھی۔

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام عورت کو بھی اتنا حق حاصل تھا کہ وہ خلیفہ حق کی رائے سے اختلاف کر سکے اور رعایا حکومتِ وقت کے فیصلے کو رد کر سکے۔ جہاں تک اس خاتون کا تعلق ہے تو وہ یقیناً یہ ایک عام عورت تھی۔ اگر وہ کوئی مشہور خاتون ہوتی تو یقیناً اس کا نام لیا جاتا لیکن چونکہ نام نہیں لیا گیا۔ لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی عام خاتون تھی، اور پھر بھی اسے یہ حق تھا کہ وہ خلیفہ وقت سے اختلاف کی جرات کر سکے اور اس پر اعتراض کر سکے۔

اسلامی نظام میں ایک عام عورت بھی قانون سازی جیسے معاملات میں خلیفہ وقت یعنی اسلامی ریاست کے حاکم تک کی رائے سے اختلاف کر سکتی ہے اور صحیح ہونے کی صورت میں اپنی بات منوا سکتی ہے۔ فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو حکمران وقت پر عورت کا اعتراض آئین کی خلاف ورزی کے حوالے سے تھا جس کا تعلق قرآن و سنت سے منسوب ہے۔ قرآن دراصل اسلامی حکومت اور مسلمانوں کا آئین اور دستور ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں خواتین کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ یہ حق اسلام نے خواتین کو چودہ سو سال پہلے عطا کر دیا تھا۔

امامتِ عظمیٰ (سربراہیِ مملکت) اور صنفی دائرہ کار:

حکمرانی کا تصور اسلام میں خلافت کا ہے کہ انسانی معاشرہ میں کوئی بھی حکمران خود مختار نہیں بلکہ حکمرانی میں خدا تعالیٰ کا نائب ہے۔ اصل حکمرانی اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان اس کا نائب ہے جو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مطابق انسانی معاشرہ پر حکومت کرتا ہے، اسی کا نام خلافت ہے۔ جب تک انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا، خلافت کا یہ منصب زیادہ تر حضرات انبیاء کرام ہی کے پاس رہا۔ یعنی خلافت و حکومت دراصل انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت کا نام ہے اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں صراحت سے ذکر فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر بھیجے گئے وہ سب مرد تھے۔[17]

دینِ اسلام کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے یہاں ریاست کا مقصد حکمرانی کرنا یا لوگوں پر اپنا حکم چلانا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق خلافت سے ہے۔ شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور تحفظ کے لیے ریاست کی ضرورت درکار ہے۔ یہاں قانون الٰہی پہلے درجے پر ہے اور ریاست دوسرے درجے پر۔ اسلام میں قانون اصل چیز ہے اور ریاست اس کا ذریعہ۔ اسلام میں ریاست مقصود نہیں ہے بلکہ ریاست حصول مقصد کا ضروری وسیلہ ہے۔ اسلام میں ریاست کا درجہ بعد میں ہے اور شریعت کا پہلے۔ اس لیے یہاں ریاست کو خلافت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مقصد اللہ کا نائب و خلیفہ ہے۔ حاکم وقت نائب اللہ ہے اور خلیفۃ الرسول کے احکامات کا پابند ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ [18]

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

اس لیے جب نبی صرف اور صرف مرد آئے ہیں تو ان کی نیابت بھی صرف مردوں میں ہی محدود رہے گی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعۡضَهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ[19]

مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہ آیتِ کریمہ اس بارے میں صریح ہے کہ جہاں مردوں اور عورتوں کا مشترکہ معاملہ ہو گا وہاں حکمرانی مردوں ہی کے حصہ میں آئے گی اور یہی وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر عطا فرمائی ہے۔ اس آیتِ کریمہ کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ آیتِ کریمہ خاندانی احکام و قوانین کے سیاق و سباق میں ہے اس لیے اس سے مراد مطلق حکمرانی نہیں بلکہ خاندان کی سربراہی ہے جو ظاہر ہے کہ مرد ہی کے پاس ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہ سے غلط ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ عورت کی حکمرانی کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کی روشنی میں جب ہم اس آیتِ کریمہ کا مفہوم متعین کریں گے تو اسے خاندان کی سربراہی تک محدود رکھنا ممکن نہیں رہے گا بلکہ خاندان کی سربراہی کے ساتھ مطلق حکمرانی بھی اس کے مفہوم میں شامل ہو گی۔ یہ ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آگے چل کر نقل کر رہے ہیں۔[20]

دوسرا اس وجہ سے کہ امت کے معروف مفسرین کرامؒ نے اس آیتِ کریمہ کی جو تفسیر کی ہے اس میں علی الاطلاق ہر قسم کی حکمرانی عورت کے لیے نفی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ولهذا کانت النبوة مختصة بالرجال وکذلک الملک الاعظم وکذا منصب القضاء وغیر ذلک۔[21]

اور اسی وجہ سے نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح حکومت اور قضا کا منصب بھی انہی کے لیے خاص ہے۔[22]

عورت اسلامی ریاست کی سربراہ اور حاکم وقت کی حیثیت سے اقتدار کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اس حوالے سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم کے چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ امام بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر دی گئی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة[23]

وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو گی جس نے اپنا حکمران عورت کو بنالیا۔

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال بالکل صحیح ہے کہ عورت اسلامی ریاست کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے جو اقدام کسی قوم کے لیے موجب فلاح نہ ہو اور وہ اسے تباہی و خسران کی طرف لے جانے والا ہو اس سے اس کا احتراز کرنا ضروری ہے۔[24]

عورتوں کو حکمران بنانے والی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی تو اس میں جس چیز سے خبردار کیا گیا ہے۔ وہ ہے عورتوں کی "ولایت" ایسی حکمرانی جس میں حکمران تمام سیاہ و سپید کا مالک ہوتا ہے اور جسے ہم مطلق العنان حکمراں کہتے ہیں۔ حدیث کا سیاق و سباق یہ ہے کہ کسریٰ کی موت کے

بعد اہل فارس نے اس کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم اس طرح کی مطلق العنانی عورتوں کو سونپے گی وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایک اور جگہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا[25]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک تمہارے حکمران بہترین لوگوں میں سے ہوں گے اور تمہارے مال دار سخی اور بخشش کرنے والے ہوں گے اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے پائیں گے تو تمہارے واسطے زمین کے اوپر رہنا قبر میں جانے سے بہتر ہو گا، اور جب تمہارے حکمران تمہارے بد ترین لوگ ہوں اور مال دار بخیل ہو جائیں اور تمہاری سربراہی و حکمرانی عورتوں کے سپرد کر دی جائے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنے سے قبر میں چلے جانا بہتر ہو گا۔[26]

یہاں رسول اللہ ﷺ نے بہترین حکمران کا انتخاب کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ جب تم پر حاکم اچھے مسلط ہوں گے، تم میں سخاوت جیسی اچھی خوبیاں موجود ہو نگی، تمہارے آپس کے تنازعات باہمی مشورے سے طے کیے جائیں گے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنا بہتر ہو گا۔ بجائے قبر میں جانے کے۔ اور اگر الٹ صورتحال ہو گی کہ حکمران طبقہ عیش پرست ہو گا، بدترین لوگ ہونگے، بخل سے تم کام لوگے اور تم پر عورتیں حکمرانی کرے گی تو تمہارے لیے زمین میں جانا بہتر ہو گا بجائے زمین کے اوپر رہنے کے۔ یعنی کہ قبر میں جانا درست ہو گا۔

معلوم ہوا کہ عورت کو سیاسی سرگرمیوں میں بحیثیت حکمران حصہ لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ اس کی حکمت عملی یہی ہے کہ اللہ نے عورت پر سیاسی بوجھ نہیں ڈالا۔ اس کے ذمہ اولاد کی تربیت اور دیگر امور ہیں جیسے اسے احسن طریقے سے نبھانا چاہیے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا ہے کیونکہ حاکم کا عہدہ اسلام کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ اس کے ذمے اپنی پوری رعایا کے ساتھ عدل پر فیصلے کرنا ہے، ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، ایسے ہی کئی اور شعبہ جات ہیں جس کی نگرانی حاکم وقت کی ذمہ داری ہے اور اگر کہیں پر بھی ناانصافی برتی تو وہ اللہ کے قہر کا حق دار ہے، خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور عورت کو اسلام نے اس سے بچایا ہے۔ اس میں اسلام کا نقطہ نظر بالکل درست ہے۔ میں اس کی ترجمانی کرتی ہوں اگر یہ حق عورت کو دیا جاتا تو اس کے لیے بہت مسائل پیدا ہو جاتے۔ اس میں عورتوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہے۔ اللہ نے جو حقوق عورت کو دیئے ہیں اسے اس پر عملی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی ریاست میں خواتین کے حقوق و فرائض:

اقتصادی امور میں مذہبِ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو حقوق عطا کئے ہیں۔ بحیثیت مسلم اور مسلمہ دونوں کے حقوق و فرائض ایک جیسے ہیں اس میں کوئی فرق نہیں لیکن دونوں کے حقوق و فرائض کی نوعیت میں کچھ اختلاف ہے اور یہ اختلاف دو اہم حقیقتوں پر مبنی ہے

۔

اوّل: یہ کہ اسلام مساواتِ مرد وزن کے اس مغربی نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا جو عورت اور مرد کی صلاحیتوں میں سرے سے کوئی فرق نہیں کرتا اور دونوں کو زندگی کے ہر شعبے میں بالکل یکساں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اسلام اس مساوات کو مساوات نہیں بلکہ اس کو ظلم قرار دیتا ہے، کیونکہ اول مرد اور عورت کے طبعی رجحانات و میلانات میں بڑا فرق ہے۔ دوسرے خاندان کی ذمہ داریوں کا ایک بڑا بوجھ پہلے سے عورت پر لدا ہوا ہے۔ جس کو اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا اس وجہ سے یہ بالکل خلافِ انصاف ہے کہ اس کے اوپر ریاست کی ذمہ داریاں بھی بالکل مرد کی طرح لاد دی جائے۔

ثانی: اسلام معاشرے کے اخلاقی تحفظ کے لیے دونوں جنسوں کو الگ الگ رکھنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے نہایت تفصیل کے ساتھ پردہ کے احکام دیے ہیں۔ اس وجہ سے اسلامی نظام میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عورت اور مرد دونوں معاشی وسیاسی سرگرمیوں میں دوش بدوش حصہ لے سکے۔ بلکہ وہ لازما دونوں کے لیے الگ الگ دائرہ عمل معین کرتا ہے۔ یہ علیٰحدگی اخلاقی پہلو سے قطع نظر عورت کے حقوق کے تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی منصفانہ ہے کیونکہ مشترک دائرہ کے اندر یہ لازمی ہے کہ مرد اپنی فطری برتری کی وجہ سے عورت پر حاوی رہے گا۔ جس کے سبب سے عورت کے حقوق تلف ہونگے اور اگر عورت کا دائرہ عمل الگ ہو تو اپنے دائرہ کے اندر اس کو پوری خود مختاری حاصل رہے گی۔[27]

عورت اور مرد میں مساوات کرنا یعنی کہ دونوں کو ایک سمجھنا یا ان سے ایک کام لینا اور اسے برابر قرار دینا یہ درست عمل نہیں ہے کیونکہ ہر انسان کی فطرت دوسرے سے مختلف ہے۔ اندازِ بیان ہو یا اسلوبِ تحقیق، علمی و فکری سوچ میں ہر ایک کے تضاد ہے اسے آپ کبھی بھی ایک قرار نہیں دے سکتے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ یہ عمل مردوں میں بھی شامل ہے اور عورتوں میں بھی۔

یہاں امین احسن اصلاحی عورت کو معاشی وسیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی نفی کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مرد اور عورت کے رجحانات و میلانات مختلف ہیں، ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اسلام نے عورت پر نسلِ انسانی کی بقاء اور گھرداری کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ مزید اس پر ذمہ داریاں مت ڈالی جائیں۔ جب کہ مرد گھر کا سربراہ ہے اس کا فرض ہے کہ وہ عورت کی ضروریات کا خیال رکھے۔

اسی طرح عورت کے تحفظ اور حقوق کی کچھ ذمہ داریاں اسلامی ریاست پر بھی عائد ہوتی ہیں اور جہاں تک حقوق کا تعلق ہے تو اس میں اسلامی ریاست (مرد اور عورت) دونوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ امین احسن اصلاحی کی کتاب "اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام" اس کتاب کی روشنی میں عورت کے چند اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ عورت کی جان، مال اور عزت آبرو کا تحفظ کرے گی 2۔ عورت اپنی ذاتی ملکیت یعنی Private Property رکھ سکے گی اور ریاست اس کے حق کا تحفظ کرے گی۔

3۔ عورت کو تحریری میدان میں آنے کی اجازت ہو گی۔ ملکی و معاشرتی نوعیت کے مضامین و مسائل پر لکھنے میں آزادانہ طور پر عورت اپنی رائے دے سکے گی۔ اسے تنقید کا پورا حق حاصل ہو گا۔

4۔ جو حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں ان قوانین و حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔

5۔ جو مسالک و مذاہب کے انتخاب میں جو آزادی مردوں کو حاصل ہے وہی آزادی عورتوں کو بھی دی جائے گی۔

6۔ عورت کی شخصی آزادی کا خیال رکھا جائے گا۔ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے جو حقوق اسلام نے عورت کے لیے متعین کیے ہیں۔ ان حقوق کی پاسداری کی جائے گی۔ اس کے علاوہ عورت پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو گی۔

7۔ قانونی معاملات میں عورت کو مساوی رکھا جائے گا۔ امیر و غریب عورت کی کوئی تفریق نہیں ہو گی۔

8۔ اسلامی بیت المال میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا۔ ہر حاجت مند عورت کی جملہ ضرورت کی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہو گی۔

9۔ ریاست کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں تعلیم کا بندوبست کرے۔

10۔ کسی عورت کو اطاعتِ الٰہی کے خلاف کسی بات کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

دور حاضر کے لحاظ سے اس منصب کو ایک اعلیٰ عوامی منصب کے طور پر تصور کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ اگر ہم نے کسی عورت کی صلاحیتوں کو لوگوں کے فائدے کے لیے استعمال نہیں کیا اور یہ عورت یوں ہی گھر میں بیٹھ کر اپنا قیمتی وقت برباد کرتی رہی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اس عورت کی خداداد صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور یہ بات کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے۔

سب سے زیادہ خطرناک اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ دین دار اور باصلاحیت خواتین کو ہم ہر قسم کے سیاسی اور غیر سیاسی منصب کو حاصل کرنے سے روک دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مناصب پر غیر دین دار اور مغرب پرست عورتیں فائز ہو جاتی ہیں جن کے کام کرنے کا ڈھنگ بالکل غیر اسلامی ہوتا ہے اور پالیسیوں کے نفاذ میں انھیں اسلامی احکام کا ذرہ برابر خیال نہیں ہوتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان مناصب پر ہماری دین داری اور باصلاحیت عورتیں فائز ہوتیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں کام کرتیں اور ایسے قوانین بناتیں جن سے اسلام کی اشاعت میں مدد ملتی۔[28]

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دینِ اسلام عورت کو سیاسی معاملات میں بحیثیت حکمران حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کو سیاسی امور پر اظہارِ رائے دینے کا حق حاصل ہے، عورت کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے، قانون سازی میں عورت اپنی رائے دے سکتی ہے، ملکی اور دفاعی معاملات میں اپنی خدمات پیش کر سکتی ہے لیکن اقتدار میں آنے کا اختیار عورت کو نہیں دیتا۔ عورت کو سیاسی منصب عطا کرنا یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا کیونکہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اسلام نے خاتون کو گھر کی ملکہ بنایا ہے۔ اس پر گھریلو معاملات کی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ جسے عورت ہی احسن طریقے سے نبھا سکتی ہے اور مرد کو گھر کا سربراہ بنایا ہے اور حکمران کی ذمہ داری اس پر عائد کی ہے تاکہ وہ گھر کے ساتھ ساتھ منصب کے فرائض بہتر طریقے سے سرانجام دے اور اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرے لیکن اگر عورت باصلاحیت ہے اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے فرائض بہتر طور پر سرانجام دے سکتی ہے تو میرا یہ خیال ہے کہ اسے یہ موقعہ ضرور دینا چاہیے تاکہ کم علم یافتہ خواتین کی رہنمائی کی جا سکے اور مغربی تہذیب کے منفی اثرات کو روکا جا سکے۔

---

[1] ـ .Al-Qurʾān, 42:49.

[2] ـ Ibn al-Qayyim, al-Tafsīr al-Qayyim (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2005), 433.

[3] Ibn Mājah, Sunan Ibn Mājah, Bāb Birr al-Wālidayn wa al-Iḥsān ilā al-Banāt, ḥadīth no. 3714.

[4]ـIbn Mājah, Sunan Ibn Mājah, Bāb Birr al-Wālidayn wa al-Iḥsān ilā al-Banāt, ḥadīth no. 3714.

[5] Faḍl Ilāhī, Betī kī Shān wa ʿAẓamat, cited above, 34.

[6] Rashīdah Patel, Pākistānī ʿAurat kī Samājī wa Qānūnī Ḥaythiyyat (Karachi: Kul Pakistan Anjuman-i-Khawātīn, 1978), 27.

[7] Al-Qurʾān, 4:11.

[8] ـMuḥammad Ṭāhir al-Qādrī, Islām Mein ʿAurat ke Ḥuqūq (Lahore: Minhāj Publications, 2019), 46.

[9] Al-Qurʾān, 4:56.

[10] Al-Qurʾān, 2:229.

[11] Al-Qurʾān, 9:71.

[12] Muḥammad Ṭāhir al-Qādrī, Islām Mein ʿAurat ke Ḥuqūq (Lahore: Minhāj Publications, 2019), 123.

[13] Al-Qurʾān, 9:71.

[14] ـ Al-Qādrī, Islām Mein ʿAurat ke Ḥuqūq, 111.

[15] ـ Al-Qurʾān, 60:12.

[16] ـ Al-Qurʾān, 4:20.

[17] ـZāhid al-Rāshidī, "ʿAurat kī Ḥukmarānī kī Sharʿī Ḥaythiyyat," Haft Rozah Tarjumān al-Qurʾān (Lahore, 1990).

[18] ـ Al-Qurʾān, 16:43.

[19] ـ Al-Qurʾān, 4:34.

[20] ـ Al-Rāshidī, "ʿAurat kī Ḥukmarānī kī Sharʿī Ḥaythiyyat," cited above.

[21] ـ ʿImād al-Dīn Ibn Kathīr, Tafsīr Ibn Kathīr (Faisalabad: Maktabah Islāmiyyah, 2009), 1:491.

[22] Al-Rāshidī, "ʿAurat kī Ḥukmarānī kī Sharʿī Ḥaythiyyat," cited above. ـ

[23] ـ Al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Kitāb al-Maghāzī, Bāb Kitāb al-Nabī ﷺ ilā Kisrā wa Qayṣar, ḥadīth no. 4163.

[24] ـSayyid Jalāl al-Dīn ʿUmarī, Islām Mein ʿAurat ke Ḥuqūq (Lahore: Islamic Publications, 1993), 194.

[25] ـ Muḥammad ibn ʿĪsā al-Tirmidhī, Jāmiʿ al-Tirmidhī, 2: , ḥadīth no. 2266.

[26]ـ Muftī Hāshim, Sharḥ Jāmiʿ al-Tirmidhī (Karachi: Dār al-Salām, 2018), 322.

[27] ـAmīn Aḥsan Iṣlāḥī, Islāmī Muʿāsharay Mein ʿAurat kā Maqām (Lahore: Farān Foundation, 1996), 221.

[28] ـYūsuf al-Qaraḍāwī, "ʿAurat aur Siyāsat," Muḥaddith Fatwā website, 2:182, December 18, 2017.